ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

سرائیکی ناولوں میں پاک وپلید کا قدیم تصور

1. **Muhammad Akhtar**
   Lecturer Department of Siraiki,
   Govt. Graduate College Civil Lines, Multan
   Akhtarbukhari1985@gmail.com

2. **Dr. Muhammad Mumtaz Khan**
   Associate Professor Department of Siraiki,
   The Islamia University of Bahawalpur
   Mumtaz.khan@iub.edu.pk

Abstract

The class concept of paak o paleed has been going on for centuries in the Indus Valley." In fact, its roots in history are connected with invasion and occupation. In order to rule, the conqueror declared the conquered to be impure and impure. This process made it easier for the conquerors to rule and sowed the seed of hatred for the common man. Today, this concept is prevalent in the society as religious hatred as it is. The expression of the concept is also common in the social attitudes. This class division is also made a subject in the genre of Siraiki fictional literature, the novel. The novel 'Nazoo" "Choliyan" and "Adh Adhurey log" helps in understanding the social behavior of Pak and Plead. Studying these novels will help in understanding the positions of the parties.

پاک وپلید کا طبقاتی تصور وادی سندھ میں صدیوں سے چلا آرہا ہے۔آج سماج میں یہ تصور مذہبی منافرت کے طور پر رائج ہے دراصل تاریخ میں اس کی جڑیں حملہ آوری اور قبضہ گیری سے جڑی ہیں۔ فاتح نے حکومت کرنے کے لیے مفتوح کو نجس اور پلید قرار دیا۔اس عمل سے حکمرانی میں آسانی آئی اور عام آدمی کے لیے نفرت کا بیج بودیا گیا۔اس تصور کا اظہار آج بھی سماجی رویوں میں عام ہے سرائیکی افسانوی ادب کی صنف ناول میں اس طبقاتی تقسیم کو بھی موضوع بنایا گیا ہے ناول "نازو، چھولیاں اور ادھ ادھورے لوگ" پاک وپلید کے اس سماجی رویے کو سمجھنے میں مدد فراہم کرتے ہیں۔ان ناولوں میں طرفین کے موقف کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے:

Key Words: Pak o Paleed, Religion, Class Conflict, Siraiki Novel, Discrimination

تعارف:

سندھ وادی اپنے وسیع جغرافیہ میں بہت سے قبائل اور تہذیبوں کے رسم ورواج کو اپنے اندر سمویا ہوا ہے۔ یہ قدیم ترین خطہ مختلف علاقوں سے آنے والے قبائل کا گھر بنا۔ کئی اقوام یہاں فاتح کے طور داخل ہوئیں۔ قبضہ گیری کے اس عمل میں نفرت اور احساس برتری کا رویہ جوان ہوا۔ یہ رویہ فاتحین کی یادداشت میں ہی نہیں بلکہ سماج کا عمومی رویہ بن گیا، جو آج بھی اپنی جڑیں سماج میں پیوسط کیے ہوئے ہے۔ فاتح نے مفتوح کو پلید اور قابل نفرت "ملیچھ" قرار دیا۔ دریدا کے ردتشکیل نظریہ میں جو، بائنری اپوزیشن کا مطالعہ ہے کہ ہر لفظ کے ایک مخالف معنی ہوتے ہیں، جس سے اس لفظ کے معنی سمجھنے اور متعین ہونے میں مدد ملتی ہے: جیسا کہ دن کے معنی کو سمجھنے کے لیے رات کے معنی مددگار ہیں، تو، اس طرح جب مفتوح کو پلید قرار دیا گیا یا فاتح کو پاک یا برتر کہا گیا تو مفتوح کمتر یا پلید قرار پائے۔ یہ پاک وپلید کا تصور مسلسل تاریخ میں یونہی جاری رہا کہ ہر آنے والے فاتح نے مفتوح کو پلید اور کمتر کہہ کر اپنی ملکیت قائم کی۔ پاک وپلید ایک "طبقاتی" تصور ہے جس کا مذہب سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ المختصر یہاں فاتح پاک اور مفتوح پلید ہے، فاتح اعلیٰ طبقہ جبکہ مفتوح ملیچھ ہے۔ یہ تصور صدیوں سے وادی سندھ میں بسنے والی اقوام کی مشترکہ یادداشت کا حصہ ہے اور آج بھی سماج میں رائج ہے۔ اس طبقاتی نظام کا اظہار سرائیکی ادب کے ناولوں میں بھی ملتا ہے۔ ناول "نازو، چھولیاں اور اَدھ ادھورے لوگ" اس تصور کو بھرپور پیش کرتے ہیں۔

نازو:

سرائیکی زبان کا پہلا ناول "نازو" ہے۔ اس سے پہلے بھی ناول لکھا گیا تھا لیکن شائع نہیں ہو سکا۔ ظفر لاشاری کا ناول نازو پاکستان کے قیام کے دوران ہونے والے واقعات، قتل وغارت، انسانی لوٹ مار، پاک اور پلید کے تصور، مذہبی منافرت، انسانی محبت، انسانیت سے پیار اور لالچ جیسے موضوعات کو لے کر چلتا ہے۔ تقسیم

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

برصغیر کے وقت خونی انقلاب کے دوران لاکھوں کہانیاں جنم لیتی ہیں، جن میں سے "نازو" کی کہانی میں پاک وپلید کے تصور کے ساتھ دو قومی نظریہ کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔ 1947 کے ہنگاموں کے دوران انڈیا سے آنے والے لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔اسی طرح بدلے میں یہاں سے جانے والی ہندو آبادی کو بھی قتلام اور لوٹ مار کا سامنا کرنا پڑا۔ ناول نازو کو اسی پسِ منظر کے واقعات میں بُنا گیا ہے۔ناول کے آغاز سے ہی پاکیزگی اور ناپاکی کے تصور کو نمایاں کیا گیا ہے، جہاں ایک مذہب والے دوسرے کو پلید سمجھتے ہیں۔یہ مذہبی تقسیم شروع سے ہی سندھ وادی کے ماضی کا حصہ رہی ہے، جس کا تجزیہ ناول کے ابتدائی باب میں کیا گیا ہے۔ ناول میں نازو بنیادی کردار ہے جس کے ساتھ پلیدگی کا تصور جڑا ہوا ہے۔ گانموں ایک مسلمان زمیندار ہے جسے ایک رات اپنی زمینوں پر قتلِ عام کے بعد ایک ہندو بچی (نازو) ملتی ہے۔نازو کے والدین کو لٹیروں نے قتل کر دیا تھا۔ گانموں کی کوئی اولاد نہیں ہوتی، وہ اس بچی کو اپنے گھر لے آتا ہے اور سارا قصہ اپنی بیوی مریم کو سناتا ہے۔ مریم کے مکالموں میں پاکی اور پلیدی کا رنگ نمایاں ہے:

ترجمہ: گانموں: "مریم، کیا ہوا اگر؟ یہ ایک ہندو کی بیٹی ہے۔ لیکن اس کا دل تو پاک ہے، ناں؟
مریم: پر مجھے تو اس کے چھونے سے کراہت محسوس کر رہی ہوں، کیونکہ یہ کراڑوں کی بچی ہے، جبکہ میں اس کو ہاتھ لگانے سے کترا رہی ہوں، تو اس کی پرورش کیسے کر سکتی ہوں؟"(1)

ناول نگار نے مریم کے کردار کے ذریعے اس تصور کو واضح کیا ہے کہ پاک وپلید کا یہ قدیم خیال دراصل معاشرتی رویے کا حصہ ہی نہیں بلکہ یہ ہمارے عقائد میں رچ بس چکا ہے؛

ترجمہ: "یہ ہندو کی اولاد ہے، جو نہ ہمارے نبی کو مانتے ہیں اور نہ ان کے کلمہ پڑھتے ہیں۔ لوگ کل یہی کہیں گے کہ ہندو کی بیٹی کو پال کر اچھا نہیں کیا۔ نہ وہ ہمارے مذہب کی ہو گی، نہ اپنے دھرم کی۔"(2)

ناول میں ایک اور اہم بات جو، سامنے آتی ہے وہ طبقاتی مذہبی عقائد ہیں، جن کے مطابق دوسرے مذہب کے لوگ صرف پلید ہوتے ہیں۔ یہ بات گانموں کی ماں اور اس کی دوسری بیوی نزہت کے مکالموں سے بھی واضح ہو جاتی ہے۔ گانموں جب اپنی ماں کو نازو کی کہانی سناتا ہے تو اس کی ماں، جو اپنے بے اولاد بیٹے کی خوشی میں خوش ہوتی ہے، جیسے ہی نازو کے ہندو ہونے کا سنتی ہے تو، اس کا ردِ عمل مختلف ہوتا ہے:

ترجمہ: "نازو ہندو کی بیٹی ہے؟ ماں نے غصے سے اس بچی کو گانموں کی جھولی میں پھینک دیا۔ گانموں، تجھے ہندو کی اولاد پالنے میں شرم نہیں آتی؟ بے حیا ہو تم۔ گوشت کے اس پلیت لوتھڑے کو لا کر تم نے سارا گھر پلیت کر دیا ہے۔ دفع کر۔ میرے نماز کے کپڑے بھی پلیت کر دیے ہیں۔"(3)

مریم، جو بے اولادی اور گانموں کی ضد کی وجہ سے بچی کو پالنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ نازو کو پالنے سے انکار دراصل وہ مذہبی منافرت ہے جو، سماج سطح پر صدیوں سے رائج آ رہی ہے۔ کیونکہ پاک وپلید کا یہ تصور سماج کی یادداشت میں پیوست ہے۔ گانموں کے مجبور کرنے پر وہ بچی کو پالتی ہے، مگر کچھ سال بعد مریم بچی کی پیدائش کے دوران مر جاتی ہے۔ گانموں بعد میں اپنی بھابی فرحت کی بہن نزہت سے شادی کر لیتا ہے۔ گانموں اسے بھی نازو کی حقیقت بتاتا ہے، اور جب نزہت کے ہاں اولاد پیدا ہوتی ہے تو اس کا رویہ نازو کے ساتھ ہتک آمیز ہو جاتا ہے:

ترجمہ: "تم کراڑی کی بیٹی ہے، تمہارے جسم سے تو کراڑوں کی بو آتی ہے۔ خبردار! اگر آئندہ تم نے میری کسی چیز کو ہاتھ لگایا تو"(4)

قیامِ پاکستان کے ساتھ ایک بڑی آبادی کا مذہبی بنیاد پر تبادلہ ہوا۔ اس تبادلہ کی بنیاد دو قومی نظریہ تھا جس کی جڑیں سماجی سطح پہ اسی قدیم تصور سے جڑی دکھائی دیتی ہیں۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان اجنبیت کی ایک دیوار موجود تھی اور آج بھی ہے۔ یہی وہ سماجی اور مذہبی فرق ہے جو ہندو اور مسلمان میں تفریق کرتا ہے۔ اس کے تقسیم کے نتیجے میں ہونے والی ہجرت سے سرائیکی علاقے بھی متاثر ہوئے۔ انڈیا سے بڑی تعداد میں مسلمان ہجرت کر کے پنجاب اور سندھ میں آ کر آباد ہوئے۔ یہ لوگ ہندو اکثریتی علاقوں سے آئے تھے اور اپنے ساتھ ہندوؤں کے طبقاتی نظام بھی لے آئے۔ نازو بھی سرائیکی علاقے سے ہجرت کرنے والے ایک ہندو کی بیٹی تھی جس کے ورثاء کو قتل کر دیا گیا تھا۔ گانموں، بے اولاد ہونے اور انسانیت سے محبت کی بنیاد پر، اس بچی کا وارث بنتا ہے، مگر ناول دیگر کردار پاک وپلید کے قدیم تصور کو ثابت کرتے ہیں؛ کہ یہ سماج کے عمومی مزاج کا حصہ ہے۔ گانموں کا اپنی والدہ سے مکالمہ میں انسانیت سے محبت کا اظہار ملاحظہ ہو:

ترجمہ: "اماں! لوگ کتے کے بچوں کو بھی پالتے ہیں تو ان کے ماں باپ پھر بھی ناراض نہیں ہوتے۔ اگر تمہارے بیٹے نے ایک انسان کی یتیم اور لاوارث بیٹی کو پالنے کے لیے گھر لے آیا ہے تو آپ ناراض ہو رہی ہیں"(5)

نازو بچپن سے لے کر جوانی تک اس قرب سے گزرتی ہے۔ حالانکہ اس کی پرورش مسلمان گھرانے میں ہوئی تھی۔ اسکے ساری تعلیم و تربیت مسلم گھرانے کی تھی۔ مگر پھر بھی وہ قدیم طبقاتی تصور کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔ پھر ایک حادثہ میں اسکی یادداشت چلی جاتی ہے۔ اختر سے شادی کے بعد جب نازو کو اپنی یادداشت واپس آتی ہے، تو اسے اپنے وجود کی پلیدگی کا احساس ہوتا ہے۔ لوگوں سے بار بار پلید کا لفظ سن کر وہ اپنے وجود کو ناپاک محسوس کرنے لگتی ہے۔

ترجمہ: "میں ہندو کی بیٹی ہوں۔ میرا وجود پلید ہے۔ گھر والے مجھے کراڑی کا طعنہ دیتے تھے۔ میں اختر کے لیے ناپاک ہوں۔ میرے اور اختر کے مذہب میں فرق ہے۔"(6)

ناول نازو میں کرداروں کے ذریعے پاک و پلید کے قدیم تصورات کو پیش کیا گیا ہے، جو وادی سندھ کے قدیم قبائل اور دراوڑوں میں موجود تھے اور آج بھی رائج ہیں۔ مذہبی تبدیلی کے باوجود یہ تصورات ختم نہ ہو سکے۔ اسلام کے پھیلاؤ کے بعد یہ تصور ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مزید مضبوط ہو گیا۔ دونوں مذاہب کے لوگ بہت عرصہ اکٹھے رہنے کے باوجود بھی ایک دوسرے سے گھل مل نہیں سکے۔ ان کے درمیان اجنبیت کی دیوار قائم رہی جو بعد میں دو قومی نظریہ کی صورت نشابر ہوئی۔

چھولیاں:

ناول "چھولیاں" وقت، زمین زاد، انسان، تاریخ، ثقافت، تہذیب، رسم و رواج، لوک ادب، خدا، ایمان، دین، حملہ آور، سردار، نوکر، مزدور، پہاڑ، روہی، اُوچ نیچ، موسم، دریا، درخت، شخصیات، عالمی تاریخ، تحریکات اور زمین اور اس پر بسنے والے لوگوں کی کہانی ہے۔ ناول کے کردار تاریخ کے بہاؤ میں نشابر ہوتے ہیں۔ یہ کردار طبقات میں تقسیم ہیں جو صدیوں سے سماج میں رائج ہیں۔ بالاچ، جو، ایک کسان اور سردار کا نوکر ہے، مراد خان کے بند بھرنے کے بعد اپنی باری کا انتظار کرتا ہے، تاکہ اس کی فصل کے بند بھی بھرے جائیں۔ ناول جب نوآبادیاتی دور کے بیان سے گزرتا ہے تو برصغیر میں بننے والے تعلیمی اداروں اور ان کے ساتھ آنے والی فکری تبدیلیوں کا احاطہ کرتا ہے۔ علی گڑھ کالج، فورٹ ولیم کالج اور ینٹل کالج جیسے ادارے نوآبادیاتی دور میں بنے۔ خاص طور پر فورٹ ولیم کالج کو ایک برطانوی گورنر ویزلی نے 1800ء میں اس مقصد کے لیے بنایا کہ وہاں کام کرنے والے غیر ملکی یہاں کی زبانیں سیکھ سکیں اور یہاں کی کتابوں سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اس ادارے نے جہاں انگریزوں کو تعلیم دی، وہاں دیگر زبانیں سکھانے کے لیے مقامی لوگوں کو بھی بلایا گیا، جس سے مقامی آبادی انگریزی سے روشناس ہوئی۔ انہی اداروں کے ساتھ علی گڑھ کالج، اورینٹل کالج اور گورنمنٹ صادق ایجرٹن کالج، بندبوسن کالج نے بھی تعلیم کو عام کرنے میں کردار ادا کیا، جس سے نئی تحریکات کو اس خطہ میں پھیلنے کا موقع ملتا ہے۔

ناول نگار ان اداروں کے سبب یہاں شروع ہونے والی تحریکوں میں جمہوریت اور خاص طور پر سوشلزم کی بات کرتا ہے۔ اختیارات کے ساتھ حکومتی طبقہ میں دولت کی فراوانی ہو جائے تو وہ غریب طبقے پر ظلم کے مترادف ہے۔ ناول نگار ان تحریکات کے ذریعے امید اور روشنی کے چراغ جلاتا ہے۔ ناول نگار ان تحریکوں کی روشنی میں دیکھتا ہے کہ احساس محرومی ختم ہو جائے گا۔ نیچے کا طبقہ اپنے وجود کے احساس سے گزرے گا اور اپنا وجود کو پہچانے گا۔ نچلے طبقات کے لیئے جو، پاک اور پلید، اُچ اور جھک کے معیار بنائے گئے ہیں، وہ ٹوٹ جائیں گے۔ دیوتا، جو نیچے کے طبقے پر بوجھ بنے ہوئے ہیں، وہ نئے شعور سے ٹوٹ پھوٹ جائیں گے۔ نوآبادیاتی میں شروع ہونے والی تحریکوں کے شعور سے ظلم کا اندھیرا ختم ہو جائے گا۔ پرولتاریہ کی زندگی آسان ہو جائے گی۔ تاریخ دوبارہ لکھی جائے گی، جس میں ان مظلوم طبقات کا ذکر ہو گا۔

ناول اپنے سفر میں معاشی طبقات کے ساتھ مذہبی فرق سے بننے والے طبقات کو بھی دکھاتا ہے۔ ناول نگار پاک و پلید کے قدیم تصور کو جیون کے اشتراک سے دیکھتا ہے۔ یہ قدیم تصور وادی سندھ کے باسیوں میں ہمیشہ موجود رہا ہے۔ مسلمان اور ہندو ہزاروں سالوں سے اکٹھے رہنے کے باوجود بھی ایک دوسرے کے لیے پاک پلید اور ملیچھ رہ گئے ہیں۔ ناول میں اس تصور کو لیے ہوئے ساونتری کا اپنی ماں سے مکالمہ:

ترجمہ: "مریم، جو منصور ہی کی طرح ہے جو، مجھے اچھی لگتی ہے۔ ہم ایک دوسرے کے گھر آتے جاتے ہیں وہ کہتی ہے: اچھے ہیں تو اپنے لیے۔ ہمارے لیے تو یہ ملیچھ اور پلید ہیں۔ ہمارے لیے تو یہ موسکے ہیں۔ نہ رام کی مورتی کے سامنے سجدہ کرتے ہیں، نہ متھا ٹیکتے ہیں۔ یہ سرزور ہیں۔ بہت زیادہ سرکش ہیں" (7)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

ہندوستان کی تقسیم میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان پاک پلید کے طبقات دکھائے گئے ہیں۔ کئی سو سال ساتھ رہنے کے باوجود یہ اکٹھے نہ ہو سکے، اس لیے تقسیم ضروری تھی۔ تقسیم ہو گئی، لیکن کیا بالاچ سردار بن گیا؟ کیا اسے حقوق مل گئے؟ امیر اور غریب برابر ہو گئے؟ یا پھر آج بھی کسان کی حالت وہی کی وہی ہے۔

"حبیب خان اور سکندر خان اشرافیہ بن گئے، اور بلند مقام پر جا کھڑے ہوئے۔ بالاچ کو لڈان کا کچھ حصہ ملا، حیدر کو خالی اسامی پر نوکری ملی، لیکن بالاچ اپنے سردار کی نوکری چھوڑنے پر تیار نہ ہو سکا۔" (8)

ناول نگار طبقاتی تقسیم کو تاریخ کے دھارے سے دیکھتا ہے۔ پاک و پلید کی یہ تقسیم قدیم زمانے سے سرائیکی علاقے میں رائج ہے۔ ناول نگار اس تقسیم کو انسان دشمن تصور کرتا ہے۔ وقت کے دھارے میں یہ طبقاتی تقسیم ٹوٹتی ہے۔ ان طبقوں کے سربراہ، جو خدائی حیثیت اختیار کیے ہوئے ہیں، شعور آنے کے بعد ٹوٹتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ کل کے خدا آج منہ کے بل گرے پڑے ہیں۔ ناول نگار علامتی طور پر کہتا ہے کہ سوشلسٹ انقلاب کا مطالبہ بڑھ رہا ہے، ورنہ محنت کش یونہی کچلے جاتے رہیں گے۔ ناول نگار کہانی کو نو آبادیاتی دور سے گزارتا ہے، جہاں ملک سرمایہ دارانہ نظام کے زیرِ اثر ہے۔ کسانوں پر بے جا ٹیکس عائد ہیں اور استعماری قوتیں اپنے مالیے کی وصولی میں کوئی کوتاہی نہیں برتتیں۔ بالاچ کا سردار انگریزوں کا مددگار ہے، جو کسی صورت کسان کو مالیہ معاف نہیں کرتا۔ کالونیل دور میں طبقاتی کشمکش کسانوں، زمینداروں اور جاگیرداروں کے درمیان اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔

ادھ ادھورے لوگ:

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ جب سے انسان نے اجتماعی زندگی گزارنی شروع کی تو اس نے کچھ اصول و قوانین بنائے۔ یہ قوانین عام آدمی کے حقوق کے محافظ تھے۔ مگر ساتھ ہی یہ حکمرانوں کی حکمرانی کے بھی محافظ بن گئے۔ وقت کے ساتھ ان قوانین میں تبدیلیاں آتی رہیں اور طرزِ حکومت میں بھی۔ قبیلے کے سردار سے لے کر جاگیردار تک اور جاگیرداری سے بادشاہت تک کا سفر طے ہوا۔ بادشاہوں نے اپنی خواہشات اور عزائم کو پورا کرنے کے لئے جنگیں مسلط کیں۔ حقوق غصب کرنے کا یہ سلسلہ صدیوں سے چلتا آرہا ہے۔ جن کے علاقے چھینے گئے، ان کی شناخت بھی چھن گئی، اور یہ "ادھ ادھورے لوگ" اپنی شناخت کی تلاش کے سفر میں زندگی گزار دیتے ہیں۔ حفیظ خان کا ناول بھی اس مظلوم طبقے کی داستان ہے۔ فیاض ریاست بہاولپور کا باسی ہے جس کی ریاست کی صوبائی حیثیت "ون یونٹ" میں گم ہو گئی۔ ناول کا موضوع سیاسی، سماجی اور تاریخی ہے جس کا ہیرو اپنی تہذیب، ثقافت اور زبان کی شناخت کے مسئلے سے دوچار ہے۔ ناول میں اشرافیہ طبقے اور اس کی تابعدار بیوروکریسی کو نمایاں کیا گیا ہے۔ اسی بیوروکریسی کی چالوں کی وجہ سے بہاولپور کا دریا خشک ہو گیا۔ ان حربوں نے لوگوں کی شناخت چھین لی۔ یہ ناول پوری ریاست کا مقدمہ لڑتا ہے۔ ناول میں جہاں محرومی اور ریاست کا مقدمہ ہے، وہاں پاکستان کے بننے سے پہلے ہندو مسلمانوں کے مابین پاک و ناپاک کے قدیم طبقاتی مسئلے کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔ پاک و ناپاک کا یہ نظریہ سرائیکی خطے میں قدیم دور سے چلا آرہا ہے۔ ظفر لاشاری کے ناول "نازو" میں، جو کہ پاکستان کے قیام کے نتیجے میں ہونے والے فساد کے پس منظر میں ایک ہندو لڑکی کی کہانی ہے، اس مسئلے کو اجاگر کیا گیا ہے، جہاں ایک ہندو لڑکی جو مسلمان گھرانے میں پرورش پاتی ہے، اس کی ناپاکی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اسی طرح ناول "ادھ ادھورے لوگ" میں مسلمانوں کے بارے میں ہندو سوچ کو نمایاں کیا گیا ہے:

ترجمہ: "تلسی کو شک ہوا۔ ضرور اس کے باپ نے فیاض کے ہاتھ کچھ بھیجا ہوگا، اور اس کی ماں کو کسی مسلمان کے ہاتھ لگی چیز سے ویسی ہی نفرت تھی جیسے وہ کوئی بدبودار گندگی بن گئی ہو۔

اماں، فیاض آیا تھا؟" تلسی نے دوبارہ پوچھا: "کون تھا؟... وہی موسلا... ہزار بار کہا ہے... اپنے باپ کو کہو کہ... اس بلا کے ہاتھ گھر کوئی چیز نہ بھیجا کرو... لیکن وہ بار بار اسے بھیج دیتے ہیں... بڑا حکیم بنا پھرتا ہے... پاکی پلیدی کا کوئی پتہ ہی نہیں.." تلسی کی ماں تھیلا اٹھا کر بڑبڑا رہی تھی۔ " (9)

پاک و پلید کی بنیاد پر ہی یہ ہجرت ہوئی تھی اور دونوں ممالک اسی بنیاد پر وجود میں آئے تھے۔ یہاں آنے والے مسلمان فسادات کے بعد ہجرت کر آئے تھے اور یہاں رہنے والے ہندو بھی ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

ترجمہ: "حکیم کی بیٹی رادھی تو اصل میں بے بس ہو چکی تھی۔ بھرا پُرا گھر چھوڑ کر مہاجر ہو جانا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ سارے خواب اور امیدیں پل بھر میں خاک ہو گئیں تھیں۔ " (10)

JAHAN E TAHQEEQ
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

یہ ناول سرائیکی وسیب کی ریاست بہاولپور کا نوحہ ہے، جس کی کہانی تاریخی طور پر 1974 تک مکمل ہوتی ہے۔ فیاض ایک ایسے طبقے کا نمائندہ ہے جس کی شناخت مٹادی گئی تھی۔ وہ اپنی پوری زندگی اسی شناخت کی تلاش میں گزار دیتا ہے۔ اس کی زندگی کا چراغ ریاستی جبر کے خلاف احتجاج کرتے کرتے بجھ جاتا ہے، جب وہ فرید گیٹ کے جلسے میں بہت سے لوگوں کے ساتھ مارا جاتا ہے اور بے نام ونشان جگہ پر دفنا دیا جاتا ہے۔

نتائج:

ناول نازو میں مسلمانوں کا رویہ دکھایا گیا ہے کہ کیسے دوسرے مذاہب کے لوگ ان کے لیے چھوت، اور ناپاک ہیں۔ ان کے جسم یا ان کے ہاتھ سے چھو جانے والے برتن بھی پلید ہو جاتے ہیں۔ یہ سماج میں ایک طبقاتی تقسیم کی بنیاد ہے۔ اسی طرح ناول "چھولیاں" اور "ادھ ادھورے لوگ" میں ہندوؤں کا یہی رویہ مسلمانوں کے لیے ہے۔ ان ناولوں کے تجزیہ سے یہ پہلو اجاگر ہوتا ہے کہ معاشی طور پر مضبوط طبقہ پاک اور غریب پلید ہے۔ ناول "نازو" میں ایک بے بس بچی جو مسلمانوں کے رحم وکرم پر ہے وہ پلید ہے۔ جبکہ اس کی پرورش مسلمان گھرانے میں ہوئی اس کی ساری عادات واطوار مسلمانوں والی ہیں۔ لیکن وہ اپنی جوانی تک بھی اپنے پلید ہونے کے داغ کو نامٹا سکی۔ نازو کو اس قدر احساس دلایا گیا کہ اس اسکا وجود اس کے مسلمان شوہر کے لیے پلید ہے اور اسی فرق کو لے کر وہ نفسیاتی مسائل کا شکار ہو جاتی ہے۔ جبکہ اسی طرح مذکور دونوں ناولوں میں اور خاص کر ادھ ادھورے لوگ میں فیاض، حکیم کے ماتحت ہے اور یہاں ہندو گھرانہ معاشی طور پر مضبوط ہے تو فیاض اس ناول میں ہندوؤں کے لے پلید ہے۔ پاک وپلید کا یہ رویہ بنیادی طور پر قدیم قبضہ گیری سے پیدا ہوا اور سماج میں ایسے پیوسط ہوا کے اجتمائی یادداشت کا حصہ بن کر عقیدہ بن گیا۔ یہی قدیم تصور بر صغیر میں تقسیم کا باعث بھی بنا۔

پاک وپلید کے تصور کے سماجی اثرات اہمیت کے حامل ہیں، خاص طور پر سرائیکی وسیب جیسے روایتی معاشروں میں، جہاں مذہبی اور ثقافتی اعتقادات کا گہرا اثر موجود ہے۔ یہ تصور سماجی ڈھانچے پر جو اثر ڈالتا ہے، وہ فرد کی حیثیت، اس کے معاشرتی تعلقات، اور اس کی نفسیات پر بڑے پیمانے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ جب کسی فرد کو پلید یا ناپاک سمجھا جاتا ہے، تو اس کا اثر اس کی سماجی حیثیت پر براہ راست پڑتا ہے۔ جس شخص کو نجس قرار دے دیا جائے، اسے سماجی تعلقات سے بھی دور رکھا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں نہ صرف اس کی خود اعتمادی متاثر ہوتی ہے بلکہ اس کے معاشرتی روابط بھی متاثر ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ خود کو تنہا محسوس کر سکتا ہے۔ پلید سمجھے جانے کی وجہ سے افراد کے باہمی تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو سکتی ہے۔ لوگ ایسے افراد سے دوری اختیار کرتے ہیں جو پلید تصور کیے جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں ان کی تنہائی بڑھ جاتی ہے۔ یہ صورت حال افراد کے درمیان غلط فہمیاں اور نفرت کو جنم دے سکتی ہے، جو معاشرتی ہم آہنگی کو متاثر کرتی ہیں۔ ان تمام سماجی اثرات کے نتیجے میں، افراد کی نفسیات پر بھی گہرا اثر پڑتا ہے۔ جن افراد کو پلید سمجھا جاتا ہے، ان میں خود اعتمادی کی کمی، احساسِ کمتری، اور تنہائی کی شدت بڑھ سکتی ہے۔ یہ نفسیاتی مسائل، جیسے کہ ڈپریشن اور اضطراب، پیدا کر سکتے ہیں، جو ان کی روزمرہ کی زندگی کو متاثر کرتے ہیں۔ اس طرح کے حالات میں مبتلا افراد اکثر خود کو معاشرتی لحاظ سے کمتر محسوس کرتے ہیں، جو ان کی زندگی کے مختلف شعبوں میں کامیابی کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے۔ پاک وپلید کا یہ تصور مجموعی طور پر معاشرتی ڈھانچے پر بھی اثر ڈالتا ہے۔ جب سماج میں یہ تصور گہرائی سے جڑ جاتا ہے، تو یہ معاشرتی نظام میں تفریق اور عدم مساوات کا باعث بنتا ہے۔ کچھ افراد کو خاص حیثیت حاصل ہوتی ہے جبکہ دوسروں کو ناپاک سمجھ کر الگ کر دیا جاتا ہے، جس سے سماجی انصاف اور برابری کی بنیادیں متاثر ہوتی ہیں۔

پاک وپلید کا یہ تصور ایک طاقتور سماجی ساخت فراہم کرتا ہے جو فرد کی شناخت، ان کے باہمی تعلقات، اور نفسیات پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ اس کی تفہیم اور تشریح سے ہمیں نہ صرف سرائیکی وسیب کی ثقافتی شناخت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے بلکہ معاشرتی مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک نئے نقطہ نظر کی تلاش میں بھی معاونت ملتی ہے۔ یہ ضروری ہے کہ معاشرتی تبدیلیوں کے لیے اس تصور کی بنیادی نوعیت کو سمجھا جائے تاکہ افراد کو ایک منصفانہ اور برابری پر مبنی معاشرتی ماحول فراہم کیا جاسکے۔

حوالہ جات:

1. ظفر لشاری، نازو، بہاول پور، سرائیکی ادبی مجلس، 1971، ص12
2. ایضاً، ص:13
3. ایضاً، ص:38
4. ایضاً، ص:113
5. ایضاً، ص:40

6. ایضاً، ص:326
7. اسماعیل احمدانی، چھولیاں، لاہور، سنگت پبلی کیشنز، 1983، ص:196
8. ایضاً، ص:203-204
9. حفیظ خان، اَدھ ادھورے لوک، ملتان، ملتان انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اینڈ ریسرچ، 2018، ص:23
10. ایضاً، ص:147-148